SHEHRI

شہری
برائے بہتر ماحول

اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۷ء

اس میں کوئی شک نہیں کہ شہریوں کا ایک چھوٹا سا گروہ جو شعور رکھتا ہو، وہ یقیناً دنیا کو بدل سکتا ہے... مارگریٹ میڈ

اندرونی صفحات پر
- جھیل پارک
- کراچی کے معمار
- ماحول اور قانون
- منگورہ کا تحقیقی مطالعہ

غیر سرکاری تنظیموں اور سرکاری اداروں میں تعاون کی ضرورت

شہروں کے انتظام کو بہتر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ بلدیاتی انتخابات جلد از جلد منعقد کروائے جائیں

کسی بھی ایسی حکومت کی جو عوام کے مسائل حل کرنے کی خواہاں ہو، پالیسی کے بنیادی مقصد فطری طور پر سماجی بہبود، بنیادی سہولتوں کی ترقی اور قدرتی وسائل کی دیکھ بھال اور ترقی ہی ہونا چاہئے۔ حکومت وقت کی یہ بنیادی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اس امر کو یقینی بنائے کہ اس کے شہریوں کو مناسب تعلیم، صحت کی دیکھ بھال اور رہائش کی سہولتیں دستیاب ہوں اور جہاں تک ممکن ہوسکے انہیں سستے داموں پینے کے صاف پانی، بجلی اور سڑکوں کی سہولتیں مہیا ہوں۔ بڑے شہری مراکز پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ وہ زیادہ پیچیدہ مسائل سے دوچار ہوتے ہیں۔ ان شہروں میں سیوریج، نکاسی آب اور ٹرانسپورٹ کے موثر اور فعال نظام کے علاوہ اہل اور عوام دوست قانون نافذ کرنے والے ادارے ہونے چاہئیں۔

تاہم بدقسمتی سے دنیا کے بڑے حصے میں حکومتیں مختلف تاریخی، اقتصادی، سماجی اور سیاسی وجوہات کی بناء پر ایک موثر اور مثبت حکومت کی فراہمی میں ناکام رہی ہیں۔ مختلف ملکوں اور خطوں میں شہریوں کو بنیادی سہولتوں کی فراہمی مختلف درجوں اور سطحوں پر اب تک ممکن نہیں ہوسکی ہے۔ ایک کمزور حکومت اور اس سے بھی زیادہ بدتر شکل میں ایک غیر فعال اور بے حس حکومت کے نتیجے میں مقامی طور پر غیر سرکاری تنظیمیں این جی اوز اور سی بی اوز وجود میں آتی ہیں اور شہریوں کے درمیان شعور وادراک کی سطح کو بلند کرتی ہیں۔ یہ تنظیمیں یا تو حکومت کے ساتھ مل کر، اس کی کوششوں میں ہاتھ بٹا کر اور نگراں ادارے کے طور پر کام کرسکتی ہیں یا پھر حکومت وقت کے ساتھ براہ راست محاذ آرائی کرنے لگتی ہیں۔ اگرچہ ثانی الذکر کردار پسندیدہ نہیں ہے لیکن اکثر اس سے گریز بھی ممکن نہیں ہے۔

ہمارے ملک میں اور خصوصاً بڑے شہری مراکز میں حکومتوں اور مقامی این جی اوز/سی بی اوز کے درمیان تعلقات غیر تسلی بخش اور کشیدہ رہتے ہیں۔ غیر قانونی تعمیرات، ارضی اور ساحلی آلودگی کے خلاف اور عوام کی عمومی وکالت کے لئے خود شہری کی دشوار اور بعض اوقات تصادم کی حد تک جانے والی جدوجہد اس کا ثبوت ہے۔ حتیٰ کہ چند کامیاب اور شراکت والے اجتماعی منصوبے بھی جو بڑی مشکل سے پایہ تکمیل کو پہنچتے ہیں لیکن ان کی پائیداری کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔

اس کی متعدد وجوہ ہیں۔ گزشتہ ۲۰ سے ۳۰ برسوں کے دوران ہمارے بلدیاتی اور دیگر شہری اداروں کی کارکردگی سیاست کی نذر ہوچکی ہے۔ جس کے نتیجے میں کرپشن اور بدعنوانیاں عام ہوگئی ہیں۔ افسران میں پیشہ ورانہ ذمہ داری کا احساس اس حد تک گرگیا ہے کہ اب دیانت دار اور اہل سرکاری افسروں کے نام انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے حکومتی پالیسیوں میں تسلسل بھی باقی نہیں رہا ہے۔

ایک حکومت بڑے زور و شور سے جو

"کراچی کے بلدیاتی خدمات کے شعبے کی صورتحال" پر شہری برائے بہتر ماحول کے زیر اہتمام ورکشاپ کا اہتمام کیا گیا۔

(رپورٹ صفحہ ۱۲-۱۳ پر ملاحظہ فرمائیں)

شہری

بی 206 بلاک 2۔ پی ای سی ایچ ایس
کراچی۔ پاکستان
ٹیلی فون / فیکس 92-21-453-0646
e-mail/address: shehri @
shehri.a.khi.brain.net.pk

ایڈیٹر : انیس ہارون

انتظامی کمیٹی

چیئرمین : قاضی فائز عیسٰی
وائس چیئرمین : دکتوریہ ڈی سوزا
جنرل سیکریٹری : امبر علی بھائی
خزانچی : اسامی خالی ہے
ارکان : نوید حسین منتظب احمد

شہری اسٹاف

کوآرڈی نیٹر : سرمنصور
اسسٹنٹ کوآرڈی نیٹر : محمد ریحان اشرف

شہری ذیلی کمیٹیاں

آلودگی کے خلاف : نوید حسین
تحفظ ورثہ : وائلٹ آزر دولی
عبیدالرحمٰن
میڈیا اور بیرونی روابط : عبیدالرحمٰن محسن جعفری فرحان انور
قانون : قاضی فائز عیسٰی امبر علی بھائی
رولینڈ ڈی سوزا دکتوریہ ڈی سوزا منتظب احمد
پارکس اور تفریح : منتظب احمد
مالی حصول : تمام ارکان

ذیلی کمیٹیوں کی رکنیت شہری برائے بہتر ماحول کے تمام ارکان کے لئے کھلی ہے۔ اس اشاعت میں شامل مضامین کو شہری کے حوالے کے ساتھ شائع کرنے کی اجازت ہے۔
ایڈیٹر/ادارتی عملہ کا خبرنامے میں شائع ہونے والے مضامین سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

لے آؤٹ اور ڈیزائن : ذکیہ اللہ
پروڈکشن : انٹرپرائز کیو پبلیکیشنز

مالی تعاون : فریڈرک نومان فاؤنڈیشن

رکن IUCN
دی ورلڈ کنزرویشن یونین

منصوبے شروع کرتی ہے دوسری حکومت انہیں غیرضروری اور پیسے کا ضیاع قرار دیکر مسترد کردیتی ہے۔ اس سے نہ صرف غریب ٹیکس دہندگان کا نقصان ہوتا ہے۔ اس کی بعض حالیہ مثالیں گلشن اقبال میں لیڈیز اسپورٹس کلب اور کشمیر روڈ پر انڈور جمنازیم کے منصوبوں کو مسترد کرکے ترک کردینا ہے۔ ایک طویل عرصے سے بلدیاتی انتخابات نہیں کرائے گئے جو ان اداروں کے زوال اور انحطاط کی اہم وجہ ہے۔

ان امور کو محسوس کرتے ہوئے اب این جی اوز ان اداروں کے بارے میں کھل کر نکتہ چینی کررہی ہیں چونکہ حکومت اور این جی اوز کے درمیان شراکت کا روی عام طور پر ناکام ہوگیا ہے جس کا بڑا سبب سرکاری افسروں کی عدم دلچسپی اور کاہلی ہے' اب این جی اوز اور ان شعبوں میں بھی سرگرم عمل ہوگئی ہیں جن شعبوں میں صرف سرکاری اداروں کو کام کرنا چاہئے تھا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں عوام کے ساتھ محاذ آرائی شروع ہوتی ہے اور مفاد پرست عناصر جو بہت کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں اس محاذ آرائی میں کامیابی کا آسان ترین طریقہ تلاش کرلیتے ہیں۔ نوید حسین اور عمر اصغر خان اس حکومتی بحران کی زندہ شہادتیں ہیں۔

حال ہی میں این جی اوز نے اتحاد قائم کرکے اور ایک متحدہ محاذ بناکر اپنی کوششوں کو اور زیادہ موثر بنانے کی کوششیں شروع کردی ہیں۔ این جی اوز کراچی ماس ٹرانزٹ پروجیکٹ' کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کی نج کاری' انسداد دہشت گردی بل' چائلڈ لیبر اور انسانی حقوق سے متعلق دوسرے مسائل سے اسی طرح عہدہ برا ہورہے ہیں' غیرقانونی تعمیرات اور صنعتوں اور گاڑیوں کی وجہ سے پھیلنے والی فضائی آلودگی کی روک تھام کے لئے عدالتوں کی مدد لی جارہی ہے۔ حکومت پر دباؤ پڑرہا ہے کہ وہ اپنی کارکردگی کو مزید شفاف بنائے اور قانون کی حکمرانی کی پاسداری کرے۔

حکومت اور این جی اوز کے درمیان شراکت کا

رویہ عام طورپر ناکام ہوگیا ہے جس کا بڑا سبب

سرکاری افسروں کی عدم دلچسپی اور کاہلی ہے

ان دنوں لوکل گورنمنٹ اور شہری انتظام میں این جی اوز کا کردار مزید مستحکم کرنے کی بہت باتیں ہورہی ہیں لیکن اس بات کا بھی احساس ہونا چاہئے کہ این جی اوز انتہائی پابندیوں کے حالات کے تحت کام کرتی ہیں۔ صرف چند این جی اوز ایسی ہیں جن میں ہنرمند اور تربیت یافتہ اسٹاف کام کرتا ہے۔ کراچی' لاہور اور اسلام آباد جیسے ہمارے شہروں کو درپیش مسائل سے نمٹنے کے لئے بہت ضروری ہے۔

محدود مالی وسائل کے علاوہ یہ ادارے تحفظ کے مسائل سے بھی دوچار ہیں جس کا اظہار نوید حسین پر قاتلانہ حملے کے ذریعے پوری قوت کے ساتھ افسوس ناک طریقے سے کیا گیا ہے۔

سرکاری شعبے اور سرگرم تنظیموں کا کردار جو امدادی اور بھرپور ہونا چاہئے مسلسل ایک دوسرے کے کام میں مداخلت اور متصادم ہورہے ہیں۔ جرائم اور تشدد کی اس فضا میں جہاں قانون شکنی روزمرہ کا معمول بن چکی ہو اور جہاں عدل وانصاف کے نظام کا شاید ہی کہیں احترام کیا جاتا ہو۔ شہریوں کی سرگرمی اور ایڈووکیسی ایک خطرناک کام بن گئی ہے۔

اس بات کی فوری ضرورت ہے کہ اس مسئلے پر مباحثے کا آغاز کیا جائے' ہمارے بڑے شہری مراکز میں آئندہ ترقیاتی کاموں اور دیکھ بھال کے سلسلے میں شہریوں کی تنظیموں اور سرکاری شعبے کا کردار باقاعدہ طورپر متعین کیا جائے اور اگر ممکن ہو تو بعض مخصوص معاملات میں دونوں شعبوں کے باہمی اشتراک کے طریق کار کو قانونی تحفظ دیا جائے۔

ہمیں بہرحال ہنگامی بنیادوں پر اپنے مرتے ہوئے شہری اداروں کو بحال کرنا ہوگا اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے شہروں کو انتظام کے قابل بنانے کی کوئی امید رہے تو ایک اچھا آغاز بلدیاتی انتخابات منعقد کرا کے کیا جاسکتا ہے جن میں پہلے ہی بہت تاخیر ہوچکی ہے اور جن کا مدت سے انتظار ہے۔ سرکاری تنظیموں کو یہ احساس ہونا چاہئے کہ اگر ان کا منصوبہ بندی کا عمل موجودہ حقائق سے مطابقت نہیں رکھتا تو پھر کوئی مثبت تبدیلی نہیں لائی جاسکتی۔ بحالی کا عمل شفاف اور عوام کی خواہشات کے مطابق ہونا چاہئے تاکہ ہمارے بلدیاتی اداروں پر عوام کا اعتماد بحال ہوسکے' یہ بہت ضروری ہے کیونکہ کراچی جیسے بڑے شہر میں این جی اوز سرکاری شعبے کی جگہ ہرگز نہیں لے سکتیں۔

حکومت کو بھی چاہئے کہ وہ شہری تنظیموں کے قابل قدر اہم کردار کو تسلیم کرے اور ان کی راہ میں روڑے نہ اٹکائے بلکہ ان کوششوں کی بھرپور حمایت کرے جو عوام کی اجتماعی فلاح وبہبود کے لئے کی جائیں۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ ایک بڑا سوال ہے لیکن یہی ہماری واحد امید کی کرن ہے جس کے ذریعے ہم اپنی آنے والی نسلوں کے لئے ایک بہتر انسان دوست اور معیاری زندگی کی ضمانت دے سکتے ہیں۔

❖ ❖ ❖

قانونی امداد سب کمیٹی کی رپورٹ

ڈپٹی کمشنر ضلع شرقی کو فراہم کی جانے والی معلومات تعمیراتی خلاف ورزیوں کی روک تھام کے لئے ناکافی ہیں

شہری کی قانونی امداد سب کمیٹی' کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی اور دوسرے متعلقہ اداروں کی کارکردگی میں شفاف پن پیدا کرنے اور انہیں احتساب کے دائرے میں لانے کی کوششوں میں مصروف رہی ہے۔ جیسا کہ جنوری۔ مارچ ۱۹۹۷ء کے شمارے میں بتایا گیا تھا نگراں کمیٹی کے قیام کا باقاعدہ اعلان کیا جاچکا ہے اور اس وقت اب تک ہر ماہ کے پہلے منگل کو کمیٹی کا اجلاس سوک سینٹر میں کے ڈی اے کے کانفرنس روم میں ہو رہا ہے۔

نگراں کمیٹی نے عوام کی مدد کے لئے بعض اچھے اقدامات کئے ہیں۔

○ عوام کی شکایات کے ازالے کے لئے مستقل بنیادوں پر ایک پبلک کاؤنٹر قائم کردیا گیا ہے جہاں مقررہ فیس کی ادائیگی پر کسی بھی پراجیکٹ کا نقشہ اور دوسری دستاویزات کی نقول حاصل کی جاسکتی ہیں اس کے علاوہ دیگر معلومات اور امداد مہیا کی جاتی ہے۔ کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کے عملے کے علاوہ شہریوں کی امداد کے لئے کاؤنٹر پر نگراں کمیٹی کی جانب سے جناب یونس بھٹی کو تعینات کیا گیا ہے۔ (ان کی تنخواہ عطیات کے ذریعے ادا کی جائے گی)

○ کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کے لئے یہ لازمی قرار دیا گیا کہ غیر قانونی تعمیرات کے سلسلے میں عوام کو انتباہ کا نوٹس اخبارات کے ذریعے دس دن کے اندر اندر شائع کرا دیا جائے۔ (اس سے عوام کو کسی بھی تعمیراتی پراجیکٹ کے بارے میں اصل صورتحال معلوم ہونے میں مدد ملے گی)

○ سندھ بلڈنگ کنٹرول آرڈی نینس ۱۹۷۹ء میں تجویز کردہ ترامیم کا جائزہ لیا جارہا ہے اور اس میں تبدیلیاں کی جارہی ہیں۔ یہ ایک طویل اور پیچیدہ عمل ہے کیونکہ پرانے لوگ تبدیلیاں نہیں چاہتے۔ تکمیل کے بعد ان ترامیم کو مقررہ طریق کار کے مطابق باقاعدہ قانون کی شکل دے دی جائے گی۔

نگراں کمیٹی کے فورم کے علاوہ "شہری" نے عدلیہ کی ہر سطح پر خطوط بھیجے ہیں' ان خطوط کے اقتباسات پیش کئے جارہے ہیں۔ یہ اس لئے کیا گیا کہ عدلیہ کو آگاہ کیا جاسکے کہ جب عدالتوں کی جانب سے بلڈرز کے حق میں حکم امتناعی جاری کیا جاتا ہے جس کے ذریعے کے بی سی اے کو اپنے قانونی فرائض کی بجاآوری سے روک دیا جاتا ہے تو اس سے بلڈرز اور کے بی سی اے کس طرح فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ان کوششوں کے نتیجے میں اب جج صاحبان حکم امتناعی کے الفاظ محتاط اور مخصوص انداز میں لکھ رہے ہیں۔

شہری نے کمشنر کراچی میر حسن علی سے ملاقاتیں کیں جن کے نتیجے میں کمشنر نے ہر سب ڈویژن میں نگراں کمیٹیاں قائم کرنے کی ہدایت کی جن میں متعلقہ سب ڈویژنل مجسٹریٹ' ڈی ایس پی' متعلقہ ڈی سی پی/کے بی سی اے' شہریوں کے اور شہری کے نمائندے شامل ہوں گے۔ ان کیٹیوں کا اجلاس ہر پندرہ دن کے بعد ہوا کرے گا اور یہ زیر تعمیر غیر قانونی عمارات کے مسئلے کو نمٹائیں گی' ایس ڈی ایم کمیٹی کا سربراہ ہوگا (اجلاس ۳۰ جولائی ۱۹۹۷ء کو ہوا تھا)

بعد میں ڈپٹی کمشنر ضلع شرقی محمد حسین سید کے دفتر میں دو اجلاس ہوئے (انہوں نے مزید اجلاس بلانے سے انکار کردیا ہے' ہم نے کمشنر کراچی کو خط لکھا ہے کہ اس کی تحقیقات کرائی جائے) ان اجلاسوں میں تمام متعلقہ فریق ڈی سی ایسٹ' شہری اور کے بی سی اے موجود تھے۔ کافی غور و خوض کے بعد یہ معلوم ہوا کہ کے بی سی اے کی جانب سے ڈی سی ضلع شرقی کو جو معلومات فراہم کی جاتی ہیں وہ تعمیراتی خلاف ورزیوں کو روکنے کے لئے ناکافی ہیں اور ایس ڈی ایم اور پولیس صرف اتنا کرتے ہیں کہ وہ سائٹ پر کام کرنے والے چند غریب مزدوروں کو گرفتار کرلیتے ہیں۔

معمول

۱۔ زیر تعمیر عمارتوں کا عوامی تحفظ کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کی ذمہ داری ہے اور وہ اسے اس طرح یقینی بناتی ہے۔

(الف) پیشہ ور انجینئرز اور آرکیٹیکٹس کو جو تعمیراتی کام کی ڈیزائننگ اور نگرانی کرتے ہیں لائسنس جاری کرکے۔

(ب) مجوزہ عمارت کے آرکیٹیکچول اور اسٹرکچرل پلان کی منظوری کے ذریعے۔

(ج) وقتاً فوقتاً "سائٹ پر تعمیراتی سرگرمیوں کے معائنہ اور چیکنگ کے ذریعے۔

۲۔ تاہم جب بلڈر منظور شدہ نقشے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے غیر قانونی تعمیر شروع کردیتا ہے اور عدالت سے صورتحال کو جوں کی توں برقرار رکھنے کے لئے حکم امتناعی حاصل کرلیتا ہے (یعنی کے بی سی اے کو پابند کرنے کا حکم) تو یہ تمام عوامی تحفظات کالعدم ہوجاتے ہیں۔

(الف) کے بی سی اے کے منظور شدہ نقشے کی پابندی نہیں کی جاتی۔

(ب) لائسنس یافتہ آرکیٹیکٹس اور انجینئرز اپنی خدمات واپس لے لیتے ہیں یا کے بی سی اے انہیں معطل کردیتی ہے۔

(ج) کے بی سی اے اب غیر قانونی تعمیر کا معائنہ اور چیکنگ نہیں کرسکتی۔

قانون کے تحت نگرانی کے بغیر خطرناک طور پر تعمیر کی جانے والی یہ عمارت حال ہی میں نارتھ کراچی میں منہدم ہوجانے والی عمارت "فائزہ ہائٹس" کی طرح گر سکتی ہے۔

۳۔ تعمیرات کا کام اس طرح نہ صرف تعمیراتی مزدوروں کے لئے بلکہ مستقبل میں ان عمارتوں میں رہنے والوں کے لئے ایک عوامی خطرہ بن گیا ہے کیونکہ ناجائز تعمیرات کرنے والے بلڈرز حکم امتناعی کی آڑ میں قانونی نگرانی کے بغیر تعمیراتی کام جاری رکھتے ہیں۔

اس صورتحال کو درست کرنے کے لئے ایک فارم تیار کیا گیا ہے (دلچسپی رکھنے والے حضرات اس فارم کی نقل شہری کے دفتر سے حاصل کرسکتے ہیں)

کے بی سی اے کو اب پولیس یا ایس ڈی ایم کے پاس ایف آئی آر درج کرانے یا صورتحال کو جوں کا توں برقرار رکھنے کا حکم نامہ حاصل کرنے کے لئے یہ فارم مکمل طور پر پر کرنا ہوگا۔ ڈپٹی کمشنر ایسٹ نے مزید تجویز پیش کی کہ تمام مقدمات میں ضلعی انتظامیہ کو خاص طور پر ہدایت جاری کی جائے کہ وہ عدالتی احکامات کو نافذ کریں۔

دوسری جانب وزارت ہاؤسنگ و ٹاؤن پلاننگ' کے بی بی سی اے اور دوسرے متعلقہ ادارے اپنی غیرقانونی سرگرمیوں میں بدستور مصروف ہیں یعنی استعمال اراضی کو تبدیل کر رہے ہیں۔

عدالتوں سے بلڈرز کے حق میں حکم امتناعی جاری کردیا جاتا ہے جس کے ذریعہ کے بی سی اے کو اپنے قانونی فرائض کی بجاآوری سے روک دیا جاتا ہے جس سے بلڈرز خوب فائدہ اٹھاتے ہیں

اس کی چند مثالیں یہ ہیں۔

ان پلاٹوں کی فہرست شائع کردی گئی ہے جنہیں وزارت ہاؤسنگ و ٹاؤن پلاننگ نے غیرقانونی طور پر کمرشلائز کیا ہے۔

معاملات اوپر تک جاتے ہیں۔ اس کی روک تھام کے لئے ۹ ستمبر ۱۹۹۷ء کو حکومت سندھ نے دوبارہ کثیرالمنزلہ عمارتوں کی تعمیر پر پابندی عائد کردی۔ حقوق کا شور مچایا گیا اور اس کے بعد یہ پابندی اٹھالی گئی۔

غیرقانونی ردوبدل پھر ہونے لگا۔

اطلاع ملنے پر متعلقہ علاقوں کے باشندوں نے فوری طور پر متعلقہ لوگوں سے خط و کتابت شروع کردی۔ چیف سیکریٹری نے فوری ردعمل ظاہر کیا' ہم نے ان سے کہا کہ وہ مزید کارروائی کریں اور تمام کیسز کا جائزہ لیں کیونکہ ان سے عوام کی مشکلات میں اضافہ ہی ہوگا۔

عوام کو اپنی نگرانی جاری رکھنی چاہئے اور ڈان' جنگ' دی نیوز اور دیگر اخبارات میں شائع ہونے والے ان پبلک نوٹسوں کو نظر سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہئے جو عوام سے اعتراضات طلب کرنے کے سلسلے میں شائع کرائے جاتے ہیں۔

ہم ذیل میں استعمال اراضی میں تبدیلی سے متعلق قانون کو دوبارہ پیش کر رہے ہیں (کراچی بلڈنگ اینڈ ٹاؤن پلاننگ ریگولیشنز شیڈول ڈی پارٹ ٹوبی)

(اے) کوئی رہائشی پلاٹ ماسوائے ایم پی اور ای سی کی منظوری کے جو متعلقہ اتھارٹی کی سفارش کے بعد دی جائے گی کسی اور مقصد کے لئے استعمال کے لئے تبدیل نہیں کیا جائے گا۔

(بی) استعمال اراضی میں تبدیلی کے لئے درخواست دہندہ متعلقہ اتھارٹی کو درخواست دے گا۔ جس میں اس کا مکمل جواز پیش کیا جائے گا۔ اتھارٹی علاقے کی پلاننگ' گردونواح کی تجارتی سولتوں' سڑک کی چوڑائی' ٹریفک کے بہاؤ اور دیگر

باقی صفحہ ٦ پر

نتیجے میں

○ عدالت نے کی بی سی اے کو قانون کے تحت انہدام یا عمارت کو سربمہر کرنے کی کارروائی سے روک دیا ہے' حالانکہ کے بی سی اے نے پہلے ہی ایس بی سی او ۸۲/۷۹ کے سیکشن ۷ الف کے تحت جاری کردہ نوٹس کے ذریعے اس تعمیر کو غیرمجاز اور غیرقانونی قرار دے دیا تھا۔

○ اب بلڈرز غیرقانونی طور پر خطرناک انداز میں' عدالت کی اجازت سے (لائسنس یافتہ نگرانی کے بغیر) تعمیراتی کام جاری رکھ سکتے ہیں۔

○ کے بی سی اے بھی اب اس مسلسل تعمیر کے تحفظ کی ذمہ داری بھی قبول کرنے کو تیار نہیں۔

○ کے بی سی اے (جو دراصل ضلعی انتظامیہ اور پولیس کے ساتھ ساتھ بلڈرز کے ساتھ گٹھ جوڑ کئے ہوئے ہے) اب آسانی سے خاموش بیٹھی رہ سکتی ہے اور خود کو "بے بس" ظاہر کرکے غیرقانونی تعمیرات جاری رہنے کا سارا الزام عدالت کے سر رکھ دیتی ہے۔

○ کے بی سی اے اور پولیس جو فوجداری کارروائی کرتے ہیں وہ بھی روک دی جاتی ہے کیونکہ ایک دیوانی مقدمے میں عدالت نے حکم دے دیا ہے' اس طرح عدالت کو قربانی کا بکرا بنا دیا جاتا ہے۔

○ کے بی سی اے کے مشیران قانون ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ قانونی کارروائی مہینوں اور برسوں کے لئے طول کھینچتی رہے (بہرصورت مقدمات کی زیادہ تعداد اور ججوں کی تعداد میں کمی کی وجہ سے بھی یہ مقدمات طویل عرصے تک چلتے ہیں) وہ جوابی حلفیہ بیان داخل نہ کرکے' حقائق کو چھپاکر اور عمومی طور پر کمزور دفاع پیش کرکے یہ کام انجام دیتے ہیں۔

○ بلڈرز کے بی سی اے کی جانب سے فلیٹس کی فروخت کے لئے این او سی حاصل کئے بغیر ہی فلیٹس اور دکانیں فروخت کرتے رہتے ہیں اور عوام کو دھوکہ دیتے رہتے ہیں۔

تجویز

۱۔ کے بی سی اے کے قانونی اختیارات کے خلاف کوئی حکم امتناعی جاری نہ کیا جائے (حتیٰ کہ منظور شدہ نقشے کی حد تک بھی' کیونکہ اس کو بھی غلط طور پر استعمال کیا جاتا ہے) کیونکہ اس کی وجہ سے قانونی نگرانی کے بغیر تعمیرات جاری رہتی ہیں اور اس طرح تعمیرات کی درستگی اور تحفظ کی ذمہ داری عدالت کے کاندھوں پر منتقل ہو جاتی ہے۔

۲۔ انتہائی صورتوں میں صورتحال کو جوں کا توں برقرار رکھنے کا حکم جاری کیا جاسکتا ہے لیکن بلڈر کو خاص طور پر ہدایت کی جائے کہ وہ مزید تعمیر سے باز رہے اور اس کے ساتھ ہی کے بی سی اے کو ہدایت کی جائے کہ اگر حکم کی خلاف ورزی کی جائے تو وہ فوری طور پر عدالت کو مطلع کرے۔ علاوہ ازیں اگر متعلقہ ڈپٹی کمشنر اور ایس ایس پی کو اس حکم کی تعمیل میں عدالت کی مدد کا حکم دیا جائے تو اور بہتر ہوگا۔

۳۔ صورتحال جوں کی توں برقرار رکھنے کا حکم بلڈر کی جانب سے متنازعہ عمارت کے دس مختلف تصاویر کے دو سیٹ (ایک کے بی سی اے کے لئے) مہیا کرنے کے بعد جاری کیا جائے جن سے عمارت کی موجودہ صورتحال ظاہر ہوتی ہو۔

عبدالغفور

موئن جو دڑو

جسے عناصر فطرت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا

حال ہی میں ایک سرکاری اعلان کے مطابق حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اتھارٹی برائے تحفظ موئنجودڑو کو ختم کردیا جائے گا۔ یہ ادارہ پانچ ہزار سال پرانے عالمی شہرتی یافتہ آثار قدیمہ کو بچانے کے لئے ۲۳ سال قبل قائم کیا گیا تھا۔ یہ ایک ایسا پراجیکٹ تھا جس کے لئے یونیسکو نے پاکستان کے حصے کے برابر فنڈز مہیا کئے تھے۔

اس پروگرام کے خاتمے کے ساتھ ہی متعلقہ حلقوں میں پروگرام کی کامیابی اور ناکامی کے بارے میں دعوے اور جوابی دعوے کئے جارہے ہیں۔ محکمہ آثار قدیمہ کے ڈائریکٹر جنرل مسٹر نیاز رسول تحفظ کے کام کی رفتار پر اطمینان کا اظہار کرتے ہیں جبکہ مشہور ماہر آثار قدیمہ ڈاکٹر احمد حسن دانی کا خیال ہے کہ یہ پروگرام مکمل طور پر ناکام ثابت ہوا ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ آج کے مقابلے میں موئنجودڑو ۱۹۷۳ء میں جب یہ پروگرام شروع کیا گیا تھا زیادہ بہتر حالت میں تھا بلکہ وہ تو اس حد تک کہتے ہیں کہ "اس پروگرام سے موئنجودڑو کی موت ہوگئی ہے" اب موئنجودڑو کے تحفظ کے لئے ایک اعلیٰ اختیاراتی بورڈ قائم کرنے کی بات ہو رہی ہے اصل حقیقت خواہ کچھ بھی ہو اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہم اپنے سب سے اہم اور عالمی سطح پر تسلیم شدہ تاریخی آثار قدیمہ کے تحفظ کی جتنی باتیں کرتے ہیں عملاً اس کے اہل ثابت نہیں ہوسکے اور اب یہ ایک بحرانی کیفیت سے دوچار ہے۔

> **تہذیبی آثار کی حفاظت کے لئے ۲۳ سال قبل قائم کئے گئے پروجیکٹ کو ختم کرنے کے اعلان سے موئن جو دڑو کے تہذیبی آثار کو خطرات لاحق ہوگئے ہیں**

مردوں کا ٹیلہ

موئنجودڑو یا مردوں کا ٹیلہ وہ مقام ہے جہاں اس تہذیب کے آثار ہیں جو اب سے ساڑھے چار یا پانچ ہزار سال قبل پھل پھول رہی تھی۔ یہ لاڑکانہ شہر کے قریب کراچی سے ۳۵۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ موئنجودڑو کو سب سے پہلے ۱۹۱۲ء میں ایک ماہر آثار قدیمہ ڈی۔ آر۔ بھنڈاکر نے دریافت کیا تھا۔ ۱۹۲۴ء اور ۱۹۳۱ء کے درمیان مزید کھدائی کی گئی آج تقریباً" ایک لاکھ مربع میٹر یا موئنجودڑو کے دس فیصد حصے کی کھدائی ہو چکی ہے۔

قلعہ

موئنجودڑو میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے جو چیز نمایاں طور پر نظر آتی ہے وہ قلعہ ہے جو سطح زمین سے ۲۰ میٹر بلند ہے۔

بائیں جانب پہاڑی پر چڑھتے ہوئے ہم بدھ خانقاہ دیکھتے ہیں جس کے صحن کے وسط میں اسٹوپا ہے۔ اسٹوپا کے قدموں تلے ہی "عظیم حمام" ہے مغرب کی جانب شہر کا سب سے بڑا ڈھانچہ ہے جس کی پیمائش 25X70 میٹر ہے۔

زیریں شہر

زیریں شہر قلعہ کے علاقے کے مشرق میں پھیلا ہوا ہے اور ایک ہزار میٹر سے زائد طویل ہے جبکہ جنوبی حصے میں اس کی چوڑائی تقریباً" ۸۰۰ میٹر ہے۔ تمام مکانوں کا رخ کم و بیش تمام اہم سمتوں (شمال جنوب مشرق مغرب) کی سمت ہے ان گھروں کے اپنے کنویں ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پانی کا استعمال کس سطح کا ہوتا تھا۔ اس وقت کی کسی اور تہذیب میں آب رسانی اور ڈرینج کا ایسا ترقی یافتہ نظام نہیں پایا جاتا۔ تقریباً" تمام گلیوں اور کوچوں کے ساتھ ساتھ ڈھکی ہوئی نالیاں تعمیر کی گئی تھیں۔

ڈی کے۔جی ایریا

یہ زیریں شہر کا انتہائی مشرقی علاقہ ہے۔ یہاں ہمیں شاندار دیواریں اور چیف ہاؤس جیسی عمارتیں ملتی ہیں یہ علاقہ ۸۰۰ مربع میٹر سے زیادہ رقبہ پر محیط ہے۔

وی ایس۔ ایریا

"پہلی گلی" میں جنوب کی سمت چلتے ہوئے اور ایک جدید زینے پر چڑھنے کے بعد ہم تقریباً" ۴۰۰ میٹر چل کر وی ایس

قدیم زمانے میں شہری منصوبہ بندی کی عظیم مثال

ایریا پہنچتے ہیں۔ اس علاقے کا نام وائس کے نام پر رکھا گیا ہے۔ جس نے ۲۶-۱۹۲۵ء میں اس علاقے میں کھدائی کی تھی۔

ایچ آر۔ ایریا

اس کا نام ہیرالڈ ہارگریوز کے نام پر رکھا گیا تھا جس نے ۲۵-۱۹۲۴ء میں یہاں کھدائی کی تھی یہ شہر کا سب سے نمایاں اور انتہائی جنوبی علاقہ ہے۔ "پہلی گلی" پہاڑی کے پاس ختم ہونے سے پہلے اس علاقے کو دو حصوں میں تقسیم کرتی ہے۔ شمال کی جانب سے آتے ہوئے آپ شمال کی جانب چھوٹی گلی سے گزرتے ہوئے

ہم اپنے سب سے اہم اور عالمی سطح پر تسلیم شدہ تاریخی آثارقدیمہ کے تحفظ کی جتنی باتیں کرتے ہیں عملاً اس کے اہل ثابت نہیں ہوسکے اور اب یہ ایک بحرانی کیفیت سے دوچار ہے

ایک بڑا مکان دیکھ سکتے ہیں۔ مشہور "رقاصہ لڑکی" اسی علاقے میں کھدائی کے دوران جنوبی حصے کے ایک چھوٹے سے مکان سے ملی تھی۔

منیر۔ ایریا

اس علاقے کا تعلق بعد کے شہری دور سے ہے (جس کا زمانہ تقریباً ۲۱۰۰ قبل مسیح ہے) اس میں خاصی تعداد میں ایسے مکانات ملتے ہیں جن میں نہانے کے پلیٹ فارم تھے۔

ڈی کے۔ بی سی ایریا

شہر کے انتہائی مشرقی مضافات میں ایک دو رجگہ پر ڈی کے بی ایریا میں ۱۹۲۵ء میں مشہور "راہب بادشاہ" پایا گیا تھا۔ آج ہم اس کا مجسمہ دیکھ کر یہ تصور کرتے ہیں کہ وہ پوری سلطنت سندھ کا حکمراں ہوگا نہ کہ ایک گھریلو دیوتا۔

عقائد اور زبانیں

اس مذہب اور رسومات کے بارے میں جو ان لوگوں کی زندگیوں کی صورت گری کرتی تھیں محض اندازہ ہی لگایا جاسکتا ہے۔ بعض مہروں پر ایک تین چہروں والے' سینگ والے دیوتا کی تصاویر ہیں جو دو زانو بیٹھا ہے اور اس کے گرد ہاتھی' شیر' گینڈا اور بھینسا کھڑا ہوا ہے ایسا لگتا ہے کہ یہ ہندو دیوتا "شیوا" سے پہلے کا دیوتا ہے۔ مہروں اور بعض مٹی کے برتنوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ درختوں اور خصوصاً" پیپل کے درخت کی بھی پوجا کی جاتی تھی جانوروں اور خصوصاً" بیل کو مقدس کا درجہ حاصل تھا۔

جو زبانیں بولی جاتی تھیں وہ واضح طور پر ناقابل فہم حروف میں لکھی بھی جاتی تھیں کھانے کی اشیاء دکانوں حتیٰ کہ بعض مٹی کے ظروف پر بھی یہ لکھی گئی ہیں۔

یہ بھرپور تہذیب کس طرح تباہ ہوگئی؟ موسمی' معاشی' یا سیاسی حالات کی خرابی کی وجہ سے ہوسکتا ہے یہ کمزور پڑ گئی ہو' لیکن اب یہ عموی طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ پندرہویں صدی قبل مسیح میں یا اس کے لگ بھگ آریائی حملہ آوروں کی وجہ سے تباہ ہوئے تھے۔

اب ہمیں اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ ان آثار قدیمہ کا جو بھی حصہ بچا ہے جو کہ قدیم شہروں کے آثار میں سب سے زیادہ شاندار ہے' وہ ہماری غفلت اور لاپرواہی اور اپنے ثقافتی ورثے کے تحفظ سے متعلق مسائل پر عدم توجہی کے باعث تباہ نہ ہوجائے۔

(عبدالغفور ایک سول انجینئر ہیں)

❖ ❖

بقیہ ⇦ شہری کی سرگرمیاں

متعلقہ عوامل کی روشنی میں درخواست کا جائزہ لے گی۔

(سی) اتھارٹی ان قواعد کی دفعات کے مطابق پلاٹ یا پلاٹوں کے استعمال اراضی میں تبدیلی کے بارے میں پبلک نوٹس جاری کرے گی جس کے اخراجات درخواست دہندہ برداشت کرے گا۔

(ڈی) متعلقہ اتھارٹی کو اگر عوام کی جانب سے اعتراضات وصول ہوں تو انہیں بھی فیصلے کے لئے ایم پی اینڈ ای سی کو پیش کرے گی (جو ایس بی سی او ۷۹ کے تحت اتھارٹی ہے)

(ای) درخواست گزار ایم پی اینڈ ای سی اور دیگر متعلقہ اتھارٹیز کو جانچ پڑتال کی فیس اور دیگر واجبات ادا کرے گا۔

(ایف) ایم پی اینڈ ای سی (ایس بی سی او ۷۹ کے تحت اتھارٹی) کی منظوری کے بعد متعلقہ اتھارٹی فائنل این او سی جاری کرے گی۔

وہ علاقے جہاں پابندی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پلاٹ تبدیل کئے گئے ہیں وہاں پہلے ہی شہری سہولیات کی شدید قلت ہے۔

شہری جن وجوہات کی بناء پر غیر قانونی تعمیرات کی مخالفت کرتی ہے وہ یہ ہیں کہ تجارتی اور رہائشی سرگرمیوں کے لئے الگ الگ مخصوص علاقے ہونے چاہیں۔ فلیٹ سائٹس واضح طور پر الگ ہونی چاہئیں جن علاقوں میں یہ تبدیلیاں کی جائیں' تبدیلیوں سے پہلے رائے عامہ طلب کی جائے۔

ان علاقوں میں بنیادی سہولتیں یعنی سیوریج' پانی' بجلی' سڑکیں' کچرہ اٹھانے کا انتظام اور متعلقہ پبلک سہولتیں اسکول' اسپتال وغیرہ بڑھانی ہوں گی۔ بنیادی سہولتوں اور پلاٹ کے تناسب میں تناسب برقرار نہ رکھنے اور استعمال اراضی میں تبدیلی کے نتیجے میں شہری ماحول میں وہ انحطاط در آتا ہے جس کا مشاہدہ ہم ہر روز کراچی میں کرتے ہیں۔

❖ ❖ ❖

انٹرویو

کراچی نے دیہی آبادی کی منتقلی کا بوجھ برداشت کیا ہے۔ تسنیم احمد صدیقی

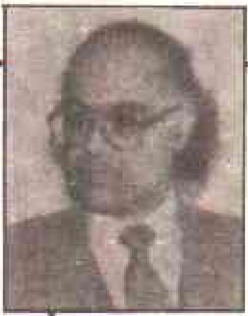

تسنیم احمد صدیقی ایک مختلف قسم کے سرکاری افسر ہیں۔ شہری ترقی کے پیچیدہ مسائل کا فہم ادراک رکھنے کے ساتھ ساتھ وہ مستقبل بین بھی ہیں۔ مشکل مسائل کو سادہ اور آسان طریقوں سے حل کرنے کے سلسلے میں انہیں عالمی سطح پر تسلیم کیا گیا ہے۔ حیدر آباد میں آغاخان ایوارڈ حاصل کرنے والی رہائشی اسکیم "خدا کی بستی" انہی کے ذہن کی پیداوار ہے۔ اس وقت وہ سندھ کے ڈائریکٹر جنرل کچی آبادیز اتھارٹی ہیں۔ "شہری" کے لئے فرحان انور کے ساتھ انٹرویو میں انہوں نے کراچی کی شہری ترقی سے متعلق مختلف مسائل پر اظہار خیال کیا ہے۔

○ س۔ کراچی میں کچی آبادیوں کا مسئلہ کس پیمانے اور تناسب کا ہے اور ہم اس مرحلے پر کیسے پہنچے؟

☆ ج۔ پاکستان میں شہروں کو آبادی کی منتقلی کی شرح نسبتاً زیادہ ہے۔ اس کی تاریخی وجوہات ہیں۔ آزادی ملنے کے بعد ہم نے بڑے پیمانے پر صنعت کاری کی کوشش کی اور دیہی ترقی کو نظرانداز کردیا۔ زرعی اصلاحات نہیں کی گئیں عام دیہاتی کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ان میں سے بہت سے بہتر روزگار کی تلاش میں بڑے شہروں میں منتقل ہونے پر مجبور ہوگئے۔ کراچی نے ملک کا واحد بندرگاہ اور ابتدائی برسوں میں ملک کا دارالحکومت ہونے کے ناطے دیہی علاقوں سے آبادی کی منتقلی کا سب سے زیادہ بوجھ برداشت کیا۔ ان نئے آنے والوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا کیونکہ صنعتوں کو چلانے کے لئے سستی لیبر کی ضرورت تھی۔ تاہم ان لوگوں کو مناسب اور باقاعدہ رہائشی سہولتیں فراہم کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی۔ لانڈھی اور کورنگی کے صنعتی علاقوں کے قریب گنجان آباد بستیاں وجود میں آگئیں۔ مشرقی پاکستان میں ۱۹۷۱ء کی شکست کے بعد اس سے بھی بڑے پیمانے پر آبادی کی منتقلی عمل میں آئی اور نئی کچی بستیاں بڑے پیمانے پر قائم ہوئیں۔ ہماری ہاؤسنگ پالیسی بنیادی طور پر ابھرتے ہوئے متوسط طبقے کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ہے لیکن نچلی ۴۰ فیصد آبادی باقاعدہ رہائش رکھنے کی متحمل نہیں ہوسکتی لہٰذا کچی آبادیوں میں اضافہ ہوتا رہا۔

اس وقت کراچی کی ۴۰ فیصد اور پورے سندھ کی ۳۰ فیصد آبادی کچی آبادیوں میں رہتی ہے۔

○ س۔ سندھ کچی آبادیز اتھارٹی "سکا" کیسے وجود میں آئی اور اس کے کیا فرائض اور اغراض و مقاصد ہیں؟

☆ ج۔ آزادی کے بعد ابتدائی ۲۰ سے ۳۰ برسوں کے دوران ان کچی بستیوں کے بارے میں حکومت کا رویہ کچھ زیادہ ہمدردانہ نہیں تھا اور پالیسی یہی تھی کہ کسی نہ کسی طرح ان کچی آبادیوں سے نجات حاصل کرلی جائے۔ ۱۹۷۱ء میں جب پیپلزپارٹی برسراقتدار آئی تو وہ عوامی مقبولیت کی لہر پر سوار تھی اور روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ ہر زبان پر تھا۔ پیپلزپارٹی کی حکومت کچی آبادیوں کی ضروریات کے بارے میں زیادہ ہمدردانہ رویہ رکھتی تھی۔ تاہم اس سلسلے میں کچھ زیادہ کام نہیں ہوا۔ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں بلدیاتی نظام کو زیادہ اہمیت دی گئی اور ۱۹۸۷ء میں حکومت سندھ نے "سکا" قائم کی۔ یہ ایک خودمختار ادارہ ہے جس کا مقصد کچی آبادیوں میں رہنے والوں کو زمین کی ملکیت دینا اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے معیار زندگی کو بہتر بنانا ہے۔

○ س۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے کیا اقدامات کئے گئے ہیں؟

☆ ج۔ اپنے قیام کے ابتدائی چار پانچ برسوں کے دوران "سکا" نے بہت کم کامیابی حاصل کی اور کچی بستیوں کو ریگولرائز کرنے کی کوششوں کے بارے میں لوگوں کا رویہ بھی زیادہ حوصلہ افزا نہیں تھا۔ "سکا" کے حکام نے اس بارے میں دوبارہ خاصا غور و خوض کیا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ زیادہ زور طریق کار کو آسان بنانے اور سرخ فیتہ کو ختم کرنے پر دیا جائے۔ چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ "سکا" کے متعلقہ دفاتر کچی بستیوں میں منتقل کردیئے جائیں تاکہ عوام کے لئے افسران تک پہنچنا آسان ہو جائے۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ کچی آبادیوں کی ریگولرائزیشن کو ان

> **آزادی کے بعد ابتدائی برسوں کے دوران کچی بستیوں کے بارے میں حکومت کا رویہ زیادہ ہمدردانہ نہیں تھا مفادعامہ کی خدمات کی کلی پرائیویٹائزیشن سے کم آمدنی والے طبقات متاثر ہوئے**

کی ترقی کے ساتھ منسلک کردیا جائے۔ مقامی لوگوں سے صلاح مشورے کے بعد زمین کی ملکیت کے علاوہ چار بڑے مسائل کی نشاندہی کی گئی' یہ مسائل فراہمی آب' نکاسی آب' سڑکیں اور بجلی کی فراہمی تھے۔ ترقیاتی عمل کو سستا اور قابل برداشت بنانے کے لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ مہنگے غیر ملکی کنسلٹنٹس کی خدمات حاصل کرنے کے عام طریقے سے گریز کیا جائے اور اس کے بجائے ترقیاتی عمل میں عام لوگوں کو شریک کرنے کا طریقہ اپنایا جائے۔ مقامی لوگوں اور اورنگی پائلٹ پراجیکٹ جیسی تنظیموں اور مقامی لوگوں کے تعاون سے مختلف علاقوں کی ترقیاتی ضروریات کی نشاندہی کے لئے سروے کرائے گئے اور ایک ترقیاتی عمل شروع کیا گیا۔ اورنگی پائلٹ پراجیکٹ اس شعبے میں بھی مدد دے رہا ہے۔ بیماریوں سے بچاؤ کے لئے ٹیکے لگانے جیسے صحت کے پروگرام بھی شروع کیے گئے۔ ان علاقوں کے باشندوں کا معیار زندگی بہتر بنانے کے مجموعی منصوبے کا ایک اہم حصہ قرضوں کی فراہمی کی اسکیم بھی ہے۔ ہماری کوششوں اور عوام کی شرکت کی بدولت' "سکا" کو ایک خود کفیل اور سیلف فانسنگ ادارہ بنا دیا گیا ہے' جو ایسے دوسرے اداروں کے مقابلے میں حکومت سے فنڈز کی فراہمی پر بہت کم انحصار کرتا ہے۔

○ **س۔ کیا آپ ریگولرائزیشن کی رفتار سے مطمئن ہیں؟**

☆ ج۔ مجموعی طور پر صورتحال خاصی اطمینان بخش ہے۔ "سکا" ان کچی آبادیوں پر کام کر رہی ہے جو ۲۳ مارچ ۱۹۸۵ء تک قائم ہوئی تھیں۔ اس وقت ان کی تعداد ۱۴۸ ہے۔ توقع ہے کہ آئندہ چار سے پانچ برسوں میں یہ کام مکمل ہو جائے گا تاہم مجھے کہنے دیجئے کہ اگر کے ایم سی اپنے کام کی رفتار ذرا تیز کردے تب۔

○ **س۔ آپ بلدیاتی اداروں کی بحالی کی بات بہت کرتے ہیں۔ ان کے موجودہ انحطاط کو دیکھتے ہوئے ان کی بحالی کے کیا امکانات ہیں؟**

☆ ج۔ یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ ایک مرکزی نوکر شاہی نظام مقاصد پورے کرنے میں ناکام ہوگیا ہے لہٰذا اس بات کی فوری ضرورت ہے کہ کے ایم سی جیسے اداروں کی مرکزیت کو ختم کیا جائے اور کونسلرز کی سطح پر زیادہ بڑا کردار اور زیادہ اختیارات تفویض کئے جائیں۔ کے ایم سی کے موجودہ بیوروکریٹس کے مقابلے میں کونسلر زیادہ قابل احتساب ہوتا ہے اور اس تک رسائی بھی آسان ہوتی ہے اور وہ محلے کی سطح کے بنیادی مسائل کو حل کرنے میں زیادہ معاون ثابت ہوسکتا ہے۔ اس ضمن میں ایک اچھا آغاز بلدیاتی انتخابات کے انعقاد کے ذریعے کیا جاسکتا ہے۔

○ **س۔ مفاد عامہ کی خدمات مثلاً" کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ اور راولپنڈی میں کچرہ اٹھانے کے انتظامات کی پرائیویٹائزیشن کے موجودہ رجحانات کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟**

☆ ج۔ میں مفاد عامہ کی خدمات کی کلی پرائیویٹائزیشن کے خلاف ہوں' کیونکہ میں شدت سے یہ بات محسوس کرتا ہوں کہ اس عمل کے ذریعے معاشرے کے کم آمدنی والے طبقات کے مفادات کا تحفظ کم ہوسکے گا۔ شہری خدمات کے بعض شعبوں کو پرائیویٹائز کیا جاسکتا ہے۔ لیکن مکمل پرائیویٹائزیشن سے بالآخر بہت کشیدگی اور مسائل پیدا ہوں گے۔ اس کے بجائے سرکاری اداروں پر زور دیا جائے کہ وہ اپنی کارکردگی بہتر بنائیں اور ناکامیوں پر ان سے جوابدہی کی جائے۔

> **کراچی کے ترقیاتی عمل میں غیرروایتی شعبے اور این جی اوز کا بڑھتا ہوا کردار دراصل شہریوں کے مسائل اور ضروریات کے بارے میں حکومت کی بے عملی اور بے حسی کا قدرتی نتیجہ ہے**

○ **س۔ کراچی جو ۱۹۴۷ء میں چند لاکھ آبادی کا ایک شہر تھا اب ایک بڑا میگا پولس بن گیا ہے' اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟**

☆ ج۔ آزادی کے بعد ابتدائی مدت کے دوران منصوبہ بندی کے کچھ اچھے اقدامات کئے گئے تھے۔ لیکن ان منصوبوں کو عملی جامہ نہیں پہنایا جاسکا جس کا بڑا سبب انتظامی ناکامیاں تھیں۔ ان دنوں کراچی دارالحکومت تھا چنانچہ کے ڈی اے کنٹونمنٹ بورڈز جیسے کئی ادارے وجود میں لائے گئے جو خالصتاً" نوکرشاہی کی نوعیت کے تھے۔ وفاقی حکومت نے میئر کے عہدے کو نظرانداز کردیا اور خود وہ فرائض انجام دیتی رہی جو خالصتاً" میونسپل ادارے انجام دیتے ہیں۔ جس کی ایک مثال مہاجرین کی دوبارہ آبادکاری ہے۔ بڑے پیمانے پر طرح طرح کے انتظامی اور ترقیاتی اداروں کے وجود میں آنے سے ان پر کنٹرول ممکن نہ رہا اور کسی قسم کی مربوط منصوبہ بندی ناممکن ہوگئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب کراچی میں ۲۵ سے زائد ایسے ادارے ہیں جو زمینوں کے مالک ہیں اور جن کا آپس میں کوئی رابطہ نہیں ہے یا بہت کم ہے۔ کنٹرول لیور مختلف جگہوں پر ہیں۔ اس وقت کی سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ دنیا کے دوسرے بڑے شہروں کی طرح یہاں میٹروپولیٹن گورنمنٹ قائم کی جائے۔ یہ بنیادی طور پر ایک انتظامی مسئلہ ہے اسے سیاسی مسئلہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کراچی اب بھی قابل انتظام شہر ہے جس میں ترقی کے وسیع امکانات ہیں۔ اور قدرتی اور انسانی وسائل کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔

○ **س۔ کراچی کے ترقیاتی عمل میں غیرروایتی شعبے اور این جی اوز کے بڑھتے ہوئے کردار کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟**

☆ ج۔ کراچی کے ترقیاتی عمل میں غیرروایتی شعبے اور این جی اوز کا بڑھتا ہوا کردار دراصل شہریوں کے مسائل و ضروریات کے بارے میں حکومت کی بے عملی اور بے حسی کا قدرتی نتیجہ ہے۔ بنیادی طور پر یہ بقاء کا ایک طریقہ ہے اور اس کردار میں گلیمر پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی جانی چاہئے۔ این جی اوز کا دائرہ محدود ہوتا ہے' این جی اوز حکومت کی جگہ نہیں لے سکتیں۔ زیادہ سے زیادہ وہ ترقیاتی اور انتظامی ماڈلز پیش کرسکتی ہیں جنہیں سرکاری ادارے منصوبہ بندی اور ترقیات کی بڑی اسکیموں میں بروئے کار لاسکتے ہیں۔

○ **س۔ "خدا کی بستی" کے بارے میں کچھ بتائیں۔ اس کے محرکات کیا تھے اور کیا نتائج رہے؟**

☆ ج۔ یہ پراجیکٹ حکومت کی غیرمناسب استعمال اراضی پالیسی کے نتیجے میں وجود میں آیا جو کہ کچی آبادیوں کے وجود میں آنے کا سب سے بڑا سبب ہے۔ حیدر آباد میں کچھ زمین حاصل کی گئی تھی

باقی صفحہ ۱۸ پر

تحقیق

عبدالہادی خان

کراچی کے معمار

جمشید نسروانجی مہتا

اس موقع پر جبکہ کراچی کے شہری اپنے ہم وطنوں کے ساتھ مل کر پاکستان کی آزادی کی پچاسویں سالگرہ منا رہے ہیں اس شہر کے ان عظیم محسنوں کی خدمات کا بھی تذکرہ ضروری ہے جنہوں نے مذہب' ذات اور عقیدے سے بالاتر ہو کر اس شہر کی تعمیر میں حصہ لیا عبدالہادی خان ان بانیان شہر کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کراچی کے شہریوں پر زور دیتے ہیں کہ نہ صرف الفاظ سے بلکہ اپنے عمل کے ذریعے بھی انہیں وہ مقام دیں جس کے وہ مستحق ہیں۔

کراچی شہر ۱۹۴۷ء میں نہیں پیدا ہوا تھا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو کراچی کے باشندوں کے ذہنوں میں بالکل واضح ہونی چاہئے۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنا کراچی والوں کے لئے اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ ان کی تاریخ بہت مختصر ہے۔ ڈیڑھ سو سال قبل ۳ فروری ۱۸۳۹ء کو منوڑہ کی بندرگاہ پر برطانوی شاہی بحریہ کے جہاز ویلزلے کی توپوں کی گھن گرج کے ساتھ ایشیا کے ایک نئے میٹروپولس کے قیام کا اعلان ہوا۔ جیسا کہ دوسری کئی نوآبادیات میں خواہ وہ فرانسیسی ہوں یا ہسپانوی یا پرتگیزی' ہوتا رہا ہے کہ نوآبادیاتی نظام نے کئی قطعاً" نئے شہروں اور قصبات کو جنم دیا ہے۔ بیشتر صورتوں میں ان شہروں کی اہمیت تجارتی' نوآبادیاتی یا فوجی اعتبار سے تھی نہ کہ تاریخی وجوہ کی بناء پر۔ اس طرح بمبئی' مدراس' کلکتہ جیسے شہر وجود میں آئے جو برطانوی سلطنت کے تاج میں چمکتے ہوئے ہیروں کی مانند تھے جبکہ دہلی' لاہور آگرہ اور لکھنؤ میں یہ بات نہیں تھی۔

اس شہر کا ایک سنہرا دور بھی تھا۔ آج ہم اس دور سے بہت فاصلے پر ہیں۔ لیکن اس شہر میں سماجی افسردگی اور جڑیں نہ ہونے کا احساس جو آج کے کراچی کے شہریوں کا مزاج بن گیا ہے اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ ہم ایک ایسے وقت اور ایسے معاشرے میں رہ رہے ہیں جو اس سرزمین سے تمام تاریخی رشتوں سے محروم ہے۔ اس طرح آج ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کراچی کا ایک عام شہری خود اپنے شہر کے ماضی اور اس کی تاریخ' اس کی داستان اور ماضی کے ہیروز کے بارے میں قطعاً" لاعلم ہے۔

گنتی کے چند لوگ ایسے ہوں گے جو اس شہر کی پیدائش میں نیپئر کے کردار کے بارے میں واضح طور پر جانتے ہوں گے۔ نیپئر جو سندھ کا فاتح اور جدید شہر کراچی کا بانی تھا۔ چارلس نیپئر ہی نے "پیکاوی" کو وہ مشہور پیغام بھیجا تھا "میں نے جرم کیا ہے" جو بعد میں برطانوی راج کی تاریخ میں ایک داستان بن گیا۔

نیپئر پہلا شخص تھا جس نے اس قصبے کے عظیم الشان امکانات اور مستقبل کو دیکھا کہ یہ ایک قدرتی بندرگاہ اور سندھ' پنجاب اور اس سے بھی آگے کے وسیع زرعی علاقوں کی برآمدات کا واحد ذریعہ بن سکتا ہے۔ اس کی پیش بینی قطعاً" درست ثابت ہوئی اور ۱۹۰۰ء میں ہی کراچی پورے مشرق میں گندم برآمد کرنے والی سب سے بڑی بندرگاہ بن چکا تھا۔ نیپئر ہی وہ شخص تھا جس نے سندھ کے اس قدیم نہری نظام کو بہتر بنا کر دریائے سندھ کی تباہ کاریوں کو روکا جو صحرائی علاقوں میں دریائے سندھ کا پانی پہنچانے کے لئے تعمیر کیا گیا تھا اس نے غلامی کا خاتمہ کیا' ڈاکوؤں اور لٹیروں کے گروہوں کا قلع قمع کیا' اور سود اور ٹیکسوں کے اس نظام کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی جس کے چنگل میں غریب عوام بری طرح جکڑے ہوئے تھے۔ اس نے اس وقت کے جابرانہ اور ظالمانہ سزاؤں کے نظام کی جگہ پولیس اور عدالتوں کا موجودہ نظام رائج کیا جسے بعد میں ہندوستان کے بیشتر حصوں میں نافذ کیا گیا۔

اگر نیپئر پیش بین تھا تو بارٹل فریئر کو کراچی کے بارے میں چارلس نیپئر کے خوابوں کا معمار کہا جاسکتا ہے۔ بارٹل فریئر بمبئی میں برطانیہ کا "کمشنران سندھ" تھا جس نے فاصلے کے باوجود اس چھوٹے سے دوردراز قصبے کراچی کے مفادات کو نظرانداز نہیں کیا اس نے چارلس نیپئر کے تصورات کو عملی جامعہ پہناتے ہوئے کراچی پورٹ کی تعمیر کا کام تیز کیا اور ایک جدید' منظم اور منصوبہ بند شہر کی پختہ بنیادیں ڈالیں جو ایک دن کئی اعتبار سے پورے جنوبی ایشیا میں ایک مثالی شہر بننے والا تھا۔ کراچی پورٹ کی تعمیر کوئی آسان کام نہ تھا۔ فریئر کو بمبئی کے تاجروں اور بحری کاروبار کرنے والے مفادپرستوں سے

جمشید نسروانجی مہتا کی میئرشپ کے دوران کراچی نے اپنی شہری عظمت کی بلندیوں کو چھولیا تھا

بھرپور مقابلہ کرنا پڑا جو ظاہر ہے کہ قریب میں ہی ایک قدرتی اور کامیابی کے زبردست امکانات رکھنے والی بندرگاہ کے قیام سے سخت پریشان تھے۔

اس شہر کے لئے فریئر کا دوسرا سب سے بڑا کارنامہ قدیم کنزرویٹنسی بورڈ کی جگہ کراچی میونسپل کارپوریشن کا قیام تھا۔ اس نے یہ قدم جنگ آزادی سے چار سال قبل ۱۸۵۳ء میں اٹھایا۔ یہ اقدام قطعی واضح طور پر زوال پذیر مغل حکومت' جو حکمرانی کے جدید تصورات سے قطعاً" ناآشنا تھی اور غالب آتی ہوئی برطانوی حکومت کے درمیان تضاد کو واضح کرتا ہے کیونکہ برطانوی حکومت سائنس و ٹیکنالوجی اور اچھی حکومت کے ایک نئے دور کی نقیب تھی۔ فریئر نے کراچی' کوٹری ریلوے اور کراچی' حیدر آباد ڈاک کا نظام بھی شروع کردیا۔

اس وقت کراچی شہر کے عوام اپنے محسن کے احسانات کو تسلیم کرکے اس کے شکرگزار تھے انہوں نے چندہ جمع کیا اور شہر میں ایک شاندار نئی عمارت تعمیر کی اور اس کی روانگی کے وقت اسے اس کے نام سے موسوم کیا۔ فریئر ہال کے نام سے یہ عمارت آج بھی کھڑی ہے اور فن تعمیر کے اعتبار سے یہ شاید کراچی کی سب سے نمایاں اور منفرد عمارت ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی لوگ تھے مثلاً اسٹریچن' وہ غیرمعمولی میونسپل انجینئر جس نے اس شہر کو ایمپریس مارکیٹ' میری ویدر ٹاور' البرٹ اینڈ وکٹوریہ میوزیم' ڈینسو ہال آرٹس کالج اور متعدد دوسری میونسپل عمارتیں دیں جو شہر بھر میں بکھری ہوئی ہیں۔ ان میں سے ہر عمارت بذات خود ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ تاہم اسٹریچن کا سب سے بڑا کارنامہ کراچی کے باسیوں کے لئے آب رسانی' اور نکاسی آب کے نظام کی ڈیزائننگ اور تعمیر ہے۔

اسی طرح بریڈی' میکلیوڈ' ایلفنسٹن' مینسفیلڈ' بولٹن اور دوسرے لوگ ہیں جن کی دھندلی سی یادیں اب باقی رہ گئی ہیں لیکن جنہوں نے اس شہر کے ابتدائی ترقیاتی دور میں یقیناً رہنما کردار ادا کیا۔

اس کے بعد ہم اس شخص کی طرف آتے ہیں جو اپنی زندگی میں ہی اپنی ذات سے بڑی شخصیت بن چکا تھا۔ جمشید نسروانجی مہتہ' اگر کبھی یہ شہر کوئی پدرانہ شخصیت رکھنے کا دعوی کرے گا تو یقیناً وہ شخصیت جمشید نسروانجی کی ہوگی۔ جمشید مہتہ ایک کلاسیکی مثال تھے کہ میئر کیسا ہونا چاہئے۔ ان کی میئرشپ کی طویل مدت کے دوران کراچی نے اپنی شہری عظمت کی بلندیوں کو چھو لیا تھا۔ گلیوں کی صفائی' شاہراہوں کی وسعت' ٹریفک کا نظم و ضبط' مارکیٹوں کا انتظام' شہری خدمات کا معیار اور شہری زندگی کی بنیادی قوت ان کے دور میں اس پورے خطے میں ایک مثال بن چکی تھی۔ ان دنوں ایشیائی میئروں کی ایک کانفرنس میں کراچی کو ایشیا کا سب سے زیادہ صاف ستھرا شہر قرار دیا گیا تھا۔ اس کا سہرا جمشید مہتہ کے سر ہے۔

جمشید مہتہ کی توصیف کا دائرہ ان مخیر پارسیوں تک وسیع کیا جاسکتا ہے جن کی انسانیت دوستی کی نشانیاں شہر بھر میں جہانگیر کوٹھاری پریڈ سے لے کر این ای ڈی یونیورسٹی تک جابجا بکھری ہوئی ہیں۔

کراچی کی تاریخی شخصیات کا تذکرہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک ہم ان سیاحوں کا بھی ذکر نہ کریں جنہوں نے برطانوی راج سے قبل اور نوآبادیاتی دور میں اس شہر کا دورہ کیا' برنس' میک ناٹن' پوٹینگر' کارلیس' پورٹر اور دیگر متعدد سیاحوں نے انیسویں صدی کی ابتدا اور اس کے وسط میں اس شہر کے بارے میں دلچسپ باتیں لکھی ہیں۔ لارنس آف عربیہ' کے شہرت یافتہ ٹی ای لارنس نے اپنے قیام کراچی کے بارے میں شکایتاً" لکھا کہ ہم مٹی کھاتے ہیں' مٹی میں سانس لیتے ہیں اور مٹی کی طرح سوچتے ہیں۔ تاہم سب سے زیادہ رنگارنگ اور دلچسپ احوال سر رچرڈ برٹن نے لکھا ہے جو ایک زبردست سیاح اور مہم جو تھے انہوں نے

سر چارلس نیپئر کی ہدایت پر اپنے ایک خفیہ مشن کے سلسلے میں کراچی کا دورہ کیا تھا۔ ایک ایرانی تاجر کے بھیس میں انہوں نے اس زمانے کے پرانے شہر کے علاقے میں قیام کیا اور مقامی لوگوں میں گھل مل کر مقامی زندگی کے تمام پہلوؤں اور رنگوں کو قریب سے دیکھا اس علاقے اور لوگوں کے بارے میں ان کا بیان بڑا مسحور کن ہے۔ اپنے گہرے تجسس کی بدولت وہ مقامی لوگوں اور خصوصاً" حکمرانوں سے ان کے سماجی رویوں اور مخصوص بنیادی رجحانات کے بارے میں تحقیق کیا کرتے تھے۔

آخر میں وکٹوریہ کے دور میں بھی کراچی کامیابی کی ایک داستان بنا' لندن میں اپنے تخت سے ۶۳ سال تک حکمرانی کرتے ہوئے' جو کسی بھی بادشاہ کا طویل ترین عرصہ حکمرانی ہے ملکہ وکٹوریہ نے ایک پورے عہد کو اپنا نام دیا ہے۔ ان کے دور حکمرانی میں برطانوی ایمپائر اوج ثریا پر تھی۔ پورے ایمپائر میں اسی دور میں متعدد بڑے شہر معرض وجود میں آئے یا پھلے پھولے' کراچی کو اس دور میں براہ راست سب سے زیادہ فائدہ پہنچا' اسی لئے فریئر ہال میں ملکہ وکٹوریہ کے مجسمے کی تنصیب کبھی بے جا نہ تھی۔ یہ مجسمہ اب بھی اسی ہال کے عقبی صحن میں پڑا ہوا ہے اسے واپس لاکر دوبارہ نصب کیا جانا چاہئے۔

(عبدالہادی پلاننگ انجینئر اور شہری کے رکن ہیں)

❖❖❖

کراچی : گئے زمانوں کی باتیں

شمس فرخ

خطاطی سے حنیف رامے کی کمٹ منٹ

طلسم ہوشربا گئے زمانوں کی باتیں ہیں

انڈس گیلری میں حنیف رامے کی تصاویر کی نمائش کے موقع پر جو بروشر شائع ہوا ہے اس میں عالمی شہرت یافتہ فرانسیسی مصور پابلو پکاسو کی بیوی فرانسوا کی یہ رائے بھی شامل ہے کہ "حنیف رامے کے کام کی جدت پسندی اور تنوع پر مجھے اپنے شوہر پابلو پکاسو کی یاد آگئی۔" فرانسوا کا یہ براہ راست خراج عقیدت حنیف رامے کے لئے یقیناً ایک فخر کی بات ہے لیکن اس پر کچھ دیر کو غور کرنے کی بھی ضرورت پیش آتی ہے کہ فرانسوا نے رامے کی کون سی تصاویر پر اپنی رائے زنی کی تھی۔ پکاسو جدید طرز مصوری کا باپ تھا۔ جبکہ رامے اپنے فن کو ماضی سے الگ نہیں کرتے۔ انہیں اپنے حال کے مقابلے میں ماضی زیادہ پرفسوں نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں عصر حاضر کی بات بھی غالب پر جاکر رک گئی۔ بے شک غالب آج بھی اتنے ہی اس عہد کے شاعر ہیں جتنے وہ برسہا برس پہلے کے دور کے عکاس تھے۔ لیکن اپنے وقت کے ترجمان غالب کے بعد بھی پیدا ہوئے۔ وہ جو فیض تھے اور جالب تھے۔

حنیف رامے بیک وقت کئی حیثیتوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ حنیف رامے جو قلم کار ہیں۔ صحافی رہ چکے ہیں اور ہمیشہ سے سیاست دان ہیں۔ اب یہ واضح نہیں کہ وہ سیاست میں فن کاری کرتے ہیں یا فن میں سیاست لڑاتے ہیں۔ لیکن ایک بات ماننی پڑے گی کہ وہ دوستوں کے دوست ہیں۔ میری حنیف رامے سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ البتہ سیاست میں ان کی تلون مزاجی سے ہمیشہ باخبر رہے۔ وفاشعاری یہ کہ جس سیاسی پارٹی کے لیڈر کی شخصیت کی کرشمہ سازی کی بدولت اس میدان میں داخل ہوئے تھے۔ کبھی ان سے ناراض ہوئے۔ کنارہ کشی کی' لیکن حالات سازگار دیکھے تو پھر آملے۔ وہ کچھ اسی انداز میں اپنے اندر کے فن کار سے ملتے ہیں۔ زندگی کے جھمیلوں سے فرصت پاکر گھڑی دو گھڑی اس کے ساتھ بھی گزار دیئے۔ انہوں نے ایک بار کسی سے کہا تھا کہ سیاست میں فن کار کی بہت ضرورت ہوتی ہے وہ جو حساس ہو' جذبات رکھتا ہو۔ دوستی' محبت اور اتفاق رائے کی سیاست میں بہت ضرورت ہے۔ لیکن شاید یہ انجانے میں ہوگیا کہ ان کے فن مصوری پر سیاست کی چھاپ لگ گئی۔ سیاست میں ہر بات کو پر اثر بنانے کے لئے بلند آوازی کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ بیان کا واضح ہونا لازم ہے۔ ورنہ جلسے کے حاضرین بے نیل و مرام لوٹ جاتے ہیں۔ تصویر بناتے وقت ایسا کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ فن لطیف کا ناظر خود بھی لطیف احساسات کا مالک ہوتا ہے۔ تیز رنگوں کی بلند

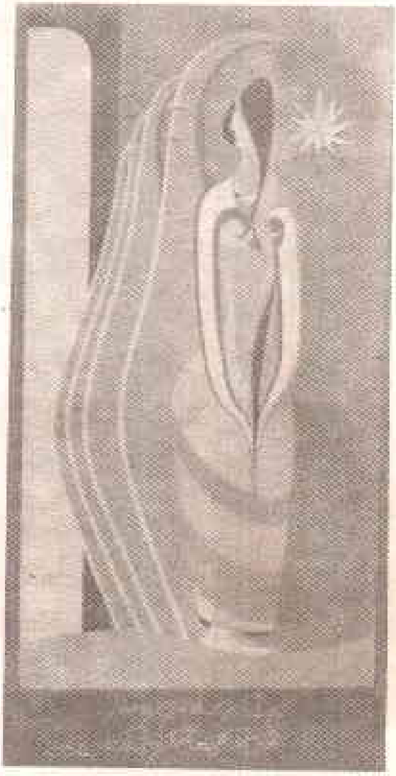

آوازی کے شور سے وہ جھنجلا بھی سکتا ہے۔

حنیف رامے نے گزشتہ دنوں پاکستان نیشنل کونسل آف آرٹس کی ایک کانفرنس کے دوران یہ کہا تھا کہ ضیاء الحق کے دور میں ہر چھوٹا بڑا مصور خطاطی کرنے لگا۔ انڈس گیلری میں ان کی اپنی خطاطی کی نمائش پر حیرت کا اظہار کیا گیا کہ ایک شخص خطاطی کے رجحان پر خوش نہ تھا لیکن اس کے اپنے فن کی اساس خطاطی ہی ہے۔ یہ دراصل حنیف رامے کی خود پسندی ہے اور وہ اس میں ایک حد تک حق بجانب بھی ہیں کیونکہ خطاطی میں ان کی مشق اور بھرپور مشغولیت نے انہیں ایک منفرد انداز دیا ہے۔ رامے شاکر علی' شمزہ' علی امام اور راحد پرویز کے ہم عصر ہیں لیکن جہاں ان مصوروں کے فن میں بتدریج نئے عناصر شامل ہوتے گئے' رامے نے اپنی روایت پسندی کو برقرار رکھا۔ ان کے ہاں اگر کوئی جدت طرازی ہے تو وہ حروف کی مہک میں ہے۔ باقی تو سب الف لیلوی قصہ خوانی ہے۔

یہ بھی رامے کے مزاج کا ایک میلان ہے کہ خطاطی کی مصنوعی نشوونما کا جو عارضی دور آیا تھا۔ جب اکثر گیلریوں میں شعوری کوششوں سے تیار کئے گئے خطاطی کے نمونے زیر نمائش ہوتے تھے اور عورتیں سروں پر چادریں اوڑھ کر ان نمائشوں کو دیکھنے جاتی تھیں۔ وہ دور گزر گیا۔ تو رامے اپنے فن پارے منظر عام پر لے آئے۔ اس لئے بھی کہ صادقین کی طرح' خطاطی کے ساتھ رامے کی کمٹ منٹ عارضی نہیں ہے۔ وہ حرف کی جزئیات کو مصوری کے عنصر کی مانند استعمال کرنے کی صلاحیات رکھتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ انہوں نے جہاں کہیں سطح کو بہت سی تکونوں' مستطیلوں اور زاویوں میں تقسیم کیا اور ہر بند میں مختلف رنگ بھرے اور حروف بھی رنگ برنگے بنا دیئے تو مجموعی تاثر سطحیت کا غماز ہے۔ اس کے بجائے فن پارے جہاں اگر پس منظر سیاہ ہے تو حروف سفید ہیں یا

باقی صفحہ ۲۲ پر

(دائیں سے) جناب قدیر بیگ، پروین رحمٰن، ریحان احمد، انظار زیدی، قاضی فائز عیسیٰ

شہری رپورٹ

کراچی کے بلدیاتی خدمات کے شعبے کی صورتحال

یہ ایک مستقل منظر ہے۔

ابوالحسن اصفہانی روڈ پر مسکن اور بھایانی ہائٹس کے قریب غلاظت، گھریلو کچرے کے ڈھیر پر پلاسٹک کی خالی تھیلیوں کے نقش ونگار۔ جن میں آوارہ کتے اور گائیں غذا کی تلاش میں سرگرداں نظر آتی ہیں۔ پھر ایک روز وہاں کے ایم سی کی مشینری بھرپور انداز میں مصروف عمل دکھائی دیتی ہے۔ کوڑا اٹھایا جاتا ہے اور اسے بڑے سے ٹرک میں لاد کرلے جایا جاتا ہے۔ وہ جگہ صاف ستھری ہوجاتی ہے۔ شہری سہولتیں فراہم کرنے والے اداروں سے تمام شکایات رفع ہوجاتی ہیں۔ یہ مقام اس وقت تک اپنی آب وتاب برقرار رکھتا ہے جب تک کہ گھروں کی صفائی کرنے والا عملہ اپنی ڈیوٹی دینے نہیں پہنچتا۔ چوبیس گھنٹے کے بعد۔ ایک روز پہلے کا منظر لوٹ آتا ہے۔ کچرا، مکھیاں، بدبو، تھیلیاں، کتے. . . . . . . گائیں. . . . . .

کے ایم سی کا سینٹری انسپکٹر جس نے اپنی نگرانی میں اس جگہ کی صفائی کروائی تھی سرخرو ہوکر واپس چلاگیا۔ اس نے اپنے فرض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں برتی۔ لیکن بھایانی ہائٹس کے فلیٹوں میں رہنے والوں کے معمولات میں دخل اندازی نہیں کی۔ فلیٹوں کی بیبیوں نے اپنی ماسی کی اصلاح کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ اگر وہ اسے یہ کہتیں کہ "دیکھو کل ہی کے ایم سی کا ٹرک کچرا اٹھاکر لے گیا ہے تم آج سے کچرے کی بالٹی وہاں نہ انڈیلنا۔" تو اس کا یقیناً یہ جواب ہوتا ہوگا کہ "باجی آخر پھر میں کچرا کہاں ڈالوں؟"

شہری بندوبست کی بنیادی خرابیاں۔ کراچی شہر کی آبادی میں روزافزوں اضافہ۔ شہری سہولتیں فراہم کرنے والے اداروں کی اندرونی بدانتظامی، مالی وسائل کی کمی، شہری اداروں اور عوام کے درمیان رابطے کا فقدان عوام کا عدم تعاون۔ حکام کی ترجیحات۔

پھر ہم اپنی آزادی کا پچاس سالہ جشن مناتے ہوئے اکیسویں صدی کی دہلیز کی طرف بڑھتے ہوئے یہ سوچ رہے ہیں کہ ٹھوس کچرے کو کس طرح ٹھکانے پر لگائیں۔ شہروں کو کس طرح صاف کریں۔

شہری برائے بہتر ماحول نے گزشتہ دنوں فریڈرک نومان فاؤنڈیشن کے تعاون سے کراچی کے بلدیاتی خدمات کے شعبے کی صورت حال پر ایک ورکشاپ کا اہتمام کیا تھا۔ جس کا بنیادی مقصد متعلقہ بلدیاتی اداروں اور شہریوں کے درمیان

جناب اختر حمید خان، عارف حسن اور فرحان انور

رابطہ قائم کرکے درپیش مسائل پر تبادلہ خیال اور مستقبل کے لئے موثر حکمت عملی اختیار کرنے کی تلقین کرتا تھا۔

اس موقع پر کے ایم سی کے ایڈمنسٹریٹر انظار زیدی کا کہنا تھا کہ شہر میں ۱۵ مختلف اقسام کے فرائض ادا کرنے والی ۱۵ ایجنسیاں سرگرم عمل ہیں۔ لیکن ان کا آپس میں کوئی رابطہ یا تعاون نہیں ہے۔ ان کے کہنے کا مطلب غالباً" یہی تھا کہ ایک ادارہ سڑک بناتا ہے تو دوسرا ادارہ پائپ لائن ڈالنے کے لئے اسے کھود دیتا ہے۔ جب تک کہ کھدے ہوئے گڑھے بھرے جاتے ہیں ایک اور ترقیاتی ادارہ زمین دوز تاریں ڈالنے کے لئے کھود دیتا ہے' زیدی صاحب نے یہ بات بھی دوہرائی کہ یہ شہر روزانہ ٦ ہزار ٹن ٹھوس فضلہ پیدا کرتا ہے جس کا صرف ٦٠ فیصد ٹھکانے لگایا جاتا ہے۔ باقی کا کچرا یا تو جلادیا جاتا ہے یا پھر وہ ادھر پھیلا رہتا ہے۔

کے ایم سی کے نئے ایڈمنسٹریٹر انصار زیدی کو اس عہدے پر فائز ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ لیکن وہ اس سے پہلے بھی ذمہ دار عہدوں پر رہے ہیں۔ انہوں نے کراچی میں گندگی کی صورت حال کے بارے میں پڑھا بھی ہوگا اور ایک شہری کی حیثیت سے یہ محسوس بھی کیا ہوگا کہ اس مسئلے سے نمٹنے کے لئے طویل المدت اور موثر اقدامات کی ضرورت ہے۔ ورنہ گزشتہ نگراں حکومت کے دوران سندھ کے وزیراعلیٰ ممتاز بھٹو نے بڑے زوروشور سے شہر کی صفائی کی مہم کا آغاز کیا تھا اور ایک اخباری بیان میں یہ بھی کہا تھا کہ "ہم تو صرف شہر کا کچرا اٹھانے آئے ہیں" ممکن ہے انہوں نے یہ جملہ سیاسی رنگ میں کہا ہو۔ لیکن کچھ نہ ہوا۔ شہر ویسے کا ویسا ہی رہا۔

کراچی کے نکاسی آب کے نظام کے بارے میں عارف حسن کی منطق قابل غور ہے کہ نئے اور جدید سیوریج کے لئے غیر ملکی قرضوں کے زیربار آنے سے بہتر ہے کہ موجودہ نظام کو درست کیا جائے۔ لیکن ہماری ترجیحات ہی یہی ہیں۔ ہم موٹروے جیسے گرانقدر منصوبوں کو قرضے کے بل بوتے پر مکمل کرکے اترائے پھرتے ہیں۔ لیکن اندرون ملک کی ٹوٹی ہوئی سڑکوں' گلی کوچوں میں گندگی کے ڈھیروں اور ایسی بے شمار آلائشوں کو دیکھ کر شرمسار نہیں ہوتے۔ عارف حسن کا کہنا تھا کہ جب بھی ترقیاتی کاموں یا بنیادی سہولتوں کی خرابی کا ذکر ہوتا ہے تو فنڈز کی کمی کا جواز پیش کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اگر بدعنوانیوں اور انتظامی کوتاہیوں کو درست کرلیا جائے تو موجودہ وسائل سے بہتر طور پر استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

اورنگی پائلٹ پراجیکٹ کے بانی اور سربراہ ڈاکٹر اختر حمید خان جو گزشتہ کئی برسوں سے ترقیاتی اور سماجی کاموں میں مصروف ہیں انہوں نے اپنے تجربے کی روشنی میں کہا کہ دراصل زیادہ تر لوگ خود کچھ اقدام کرنے کے بجائے دوسروں پر انحصار کرتے ہیں۔ جبکہ ایسے کاموں میں حکومتی اداروں' غیر سرکاری تنظیموں اور عوام کا باہمی تعاون ضروری ہوتا ہے۔ اس موقع پر شہری کے چیئرمین قاضی فائز عیسیٰ' ریحان احمد' پروین رحمٰن اور فرحان انور نے بھی خطاب کیا۔

جب بھی ترقیاتی کاموں یا بنیادی سہولتوں کی خرابی کا ذکر ہوتا ہے تو فنڈز کی کمی کا جواز پیش کیا جاتا ہے حالانکہ اگر بدعنوانیوں اور انتظامی کوتاہیوں کو درست کرلیا جائے تو موجودہ وسائل سے بہتر طور پر استفادہ کیا جاسکتا ہے

رولینڈ ڈی سوزا سیمینار سے خطاب کررہے ہیں

ایک مستقل منظر

مینگورہ
ماحولیاتی ابتری کی منہ بولتی تصویر

صوبہ سرحد کے ضلع سوات کا شہر مینگورہ حال ہی میں ایک تحقیقی مطالعے کا موضع تھا۔ یہ مطالعہ سوئٹزر لینڈ کی یونیورسٹی آف جنیوا کے ادارے آئی یو ائی ڈی اور پاکستان کے ادارے ایس ڈی پی ائی نے کیا جس میں سوات کی تحفظ ماحول سوسائٹی نے مقامی پارٹنر کا کردار ادا کیا یہ مطالعہ اس بین الاقوامی ریسرچ پراجیکٹ کا ایک حصہ تھا جس کا مقصد مقامی حرکیات کا تجزیہ کرنا اور درمیانے درجے کے شہروں کے لئے شہری انتظام کا ایک ایسا ڈھانچہ مرتب کرنا تھا جس کے ذریعے ان سماجی' اقتصادی اور ماحولیاتی مسائل کو کم کیا جاسکے جو بڑے شہروں کا لازمی حصہ ہیں۔ تیسری دنیا کے دو اور شہروں کا بولیویا اور موزمبیق میں اس مقصد کے لئے انتخاب کیا گیا تھا۔

اس تحقیقی پراجیکٹ کے کئی مقاصد تھے جن میں ماحولیاتی مسائل کا ایک خاکہ تیار کرنا' خطرات اور امکانات' مقامی لوگوں کی اجتماعی صلاحیتوں کو مستحکم کرکے اچھے شہری ماحول کے انتظام کو فروغ دینا اور نوجوان محققین اور اسکالرز کی تربیت شامل ہیں۔ ان مقاصد کو پورا کرنے کے لئے عوام کی شراکت کا طریق کار اپنایا گیا۔

مینگورہ دریائے سوات کے بائیں کنارے پر واقع ہے اور ضلع سوات کا ضلعی ہیڈکوارٹر ہے یہ ضلع کا سب سے بڑا ٹرانزٹ' تجارتی اور صنعتی مرکز بھی ہے۔ سطح سمندر سے ۳۲۰۰ فٹ بلندی پر یہ شہر ۲۵ مربع کلومیٹر رقبے پر پھیلا ہوا ہے اور پشاور سے اس کا فاصلہ ۱۷۰ کلومیٹر اور اسلام آباد سے ۲۵۴ کلومیٹر ہے۔

سوات ایک زرخیز زرعی علاقہ ہے جہاں گندم' چاول' مکئ وغیرہ پیدا ہوتی ہے اس کے علاوہ مختلف اقسام کے قیمتی پھل اور جڑی بوٹیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ مینگورہ ضلع کی مصنوعات کے لئے ایک بڑی منڈی اور ایک صنعتی مرکز بھی ہے جہاں تقریباً" ۳۰۰ ادارے ہیں جن میں مصنوعی سلک' کپڑا' کاسمیٹک اور ادویات وغیرہ تیار ہوتی ہیں۔ تاہم بدقسمتی سے سوات کے بیش قیمت قدرتی وسائل کا اظہار عوام کے معیار زندگی سے نہیں ہوتا۔ آبادی میں ۳ فیصد سالانہ کی شرح سے اضافہ ہو رہا ہے۔ جنگلات کی کٹائی اور فطری نظام حیات کے انحطاط کے باعث اور دوسری جانب فنی اور کاروباری اپج کے فقدان کے باعث زرعی پیداوار میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ غیرمعیاری سیاحتی خدمات کی وجہ سے ایک انتہائی منافع بخش سیاحتی تجارت کے امکانات کو نقصان پہنچ رہا ہے۔

مینگورہ شہری ماحول کے انحطاط کی منہ بولتی تصویر ہے۔ شہر میں سیوریج اور ٹھوس کچرے کو ٹھکانے لگانے کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ پورا صنعتی اور گھریلو ٹھوس اور مائع کچرہ دریائے سوات میں بہا دیا جاتا ہے۔ تجاوزات اور غیرقانونی تعمیرات کے باعث پورے شہر میں کوئی کھلی جگہ باقی نہیں رہی ہے۔۔ ٹریفک کی وجہ سے شور کی آلودگی ایک اور مسئلہ ہے۔

اس زوال و انحطاط کے اثرات معلوم کرنے کے لئے گھروں کا ایک نمونہ سروے کیا گیا تاکہ مینگورہ شہر میں آبادی' افرادی قوت' رہائش' آمدنی' اخراجات اور صحت سے متعلق اعدادوشمار مرتب کئے جاسکیں۔ اس کے علاوہ شہر کی صنعتی اور ٹیکسوں کی صورتحال کے بارے میں بھی معلومات جمع کی گئیں۔ شہری انتظام کے لئے اس علاقے کے سیاسی ڈھانچے اور اداروں کے بارے میں بھی تفصیلی مطالعہ کیا گیا۔

یہ پایا گیا کہ مینگورہ میں صنعتی شعبہ انتہائی غیرمستحکم اور آئے دن حکومتی پالیسیوں میں تبدیلیوں کی وجہ سے انتہائی کمزور ہے۔ صنعت بینکاری کے شعبے اور خصوصاً" مصنوعی سلک کے کپڑے کی صنعت کا وجود تو محض تین عوامل کا مرہون منت ہے۔ ایک مینگورہ کی ٹیکس فری حیثیت' دوئم افغانستان سے اسمگل ہوکر آنے والے درآمدی خام مال کی آسانی سے دستیابی اور سوئم آرٹ سلک کپڑا بنانے والوں کو دستیاب برآمدی رعایت کی سہولت کا غلط استعمال' تاہم یہ شعبہ ایک بحرانی صورتحال سے دوچار ہے کیونکہ قومی حکومت نے ٹرانزٹ تجارت پر سختی سے پابندی لگا رکھی ہے اور برآمدی رعایت اسکیم ختم کردی ہے۔

سماجی اور اقتصادی اعدادوشمار کی

باقی صفحہ ۲۲ پر